بسم اللہ الرحمن الرحیم

زیر نظر کتاب کے مصنف کا نام فرضی ہے۔
یہ کتاب مولوی عبدالرحمن السعید صدیقی کی
قائد ملت پر دوسری تصنیف ہے
چونکہ اس زمانہ میں ان کا تعلق محکمہ
کوتوالی بلدہ سے تھا۔ اس لیے مصلحتاً
اس کو فرضی نام سے شائع کیا گیا۔
سعید صدیقی مدت تقریباً بارہ سال تک
قائد ملت کے انجمن رازی ممتاز رہے
اس ذی علم شخصیت کے قلم سے نکلا ہوا
ہر حرف صدف اصلی کی طرح ہے۔
قائد ملت پر ان کی زندگی میں یہ دوسری کتاب
ہے جو مصنف نے لکھی۔
یہ اتنی جامع کتاب ہے کہ اس کتاب

کے حوالے کے بغیر قابیدہ لات یا مجلس
اتحاد المسلمین پر کوئی مضمون یا سوانح نگار
قلم اٹھانے کی جرات نہیں کر سکتا۔

نذیر احمد

فسکلا کتاب میری تصنیف ہے جو مجلس اتحاد المسلمین کے دوسرے سالانہ
جلسہ کے موقعہ پر شائع کی گئی تھی۔ چونکہ اس زمانہ میں میرا تعلق محکمۂ کوتوالی بلدہ سے تھا
اس لئے مصنف اس کو فرضی نام شائع کیا گیا تھا۔

محمد عبدالرحمٰن سعید صدیقی

صدر مجلس اتحاد المسلمین

(کی)

۲ سالہ جدوجہد

از

ابو صعید محمد اسحاق علی خاں

بی، اے (آنرز) بی (عثمانیہ)

اِنتساب

میں نے صدر مجلس اتحاد المسلمین کی مخلصانہ مساعی کا اُس کے حلقہ سے الگ ہو کر ایک غیر جانبدار کی حیثیت سے مطالعہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اپنے تاثرات کو اس مختصر سے مقالہ کے ذریعہ پیش کرتے ہوئے اپنی اس حقیر کوشش کو صدر مجلس کے اس "اعتماد" سے منسوب کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں جو دو سال کی قلیل مدت میں ملتِ اسلامیہ کی طرف سے اس کو حاصل ہوئی ہے۔

احقر العباد

ابو صعید محمد اسحاق علیخاں

بی۔ اے۔ ال۔ ال۔ بی (عثمانیہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس چرخ کہن کے سایہ کے نیچے اور کرۂ ارض کی سطح کے اوپر حیات انسانی کی تاریخ میں جو امر سب سے زیادہ محیر العقول ہے وہ مسلمانوں کی پستی اور بے علمی کی دردناک روئداد ہے جو دنیا کے کسی اور حصہ میں نہ سہی، ہندوستان میں تو ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔

ایک ایسی قوم جس کا تاریخی پس منظر علم و عمل کی شوکت اور فتح و ظفر کی عظمت کا سرمایہ دار ہو، جس کی ہدایت و اصلاح، تزکیۂ نفس، سیاست مدن، دینی اور دنیوی اعمال کے لئے سرمدی قانون، خدائی ضابطہ اور غیر فانی دستور موجود ہو اس کی اجتماعی زندگی کی افراتفری من حیثیت القوم اس کا افتراق و تشتت افسوسناک ہونے سے زیادہ حیرتناک ہے۔

کسی گرتی ہوئی قوم کے ابھرنے کے اسباب کچھ ایجابی اور کچھ سلبی ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کے سامنے ان کے شاندار ماضی کی داستانیں جس اصرار کے ساتھ دہرائی جاتی ہیں اگرچہ کہ وہ ان کے مستقبل کی تعمیر کے لئے بہت کافی ہیں لیکن عرصہ سے مسلمانوں نے ان تاریخی حقائق کو عبرت و بصیرت کا سرمایہ تسلیم کرنے کے بجائے ان کو مجلسی دلچسپیوں تک محدود کر دیا ہے۔ اور اس طرح 'انقلاب فی النفس' کے ایک بہت بڑے ایجابی ذریعہ کو اس بھولی بھالی قوم نے بڑی آسانی کے ساتھ فراموش کر دیا۔

اس دورِ فتن میں صفحۂ ہستی اقوام کے لئے مسابقت کا ایک میدان ہے باشعور قومیں بامِ عروج پر پہنچنے کے لئے جان کی بازی لگا چکی ہیں۔ مسلمان بھی ترقی کی شاہراہ پر ہمسایہ اقوام کی تیز گامی کو دیکھ کر خوابِ گراں سے چونک اٹھے ہیں۔ میدانِ مسابقت کی طرف نظر پڑی تو حریفِ مقابل کو منزلِ مقصود کے قریب پایا۔ جذباتِ رشک نے رگِ حمیت کو بیدار کیا اجتماعی حیثیت سے تو نہیں البتہ منفرداً قوم کے چند دردمندوں نے اللہ کا نام لیکر نیند کے ماتوں کو جگانے کا بیڑا اٹھایا۔ عام طور پر ہندوستان کے طول و عرض میں مسلم حلقوں کی بیداری کے جو امید افزا مناظر اس وقت دکھائی دے رہے ہیں اس میں اسباب کا یہی ایک جلی پہلو نمایاں نظر آرہا ہے۔ سچ ہے۔ ع

عدو شرے برانگیزد کہ خیرے ما دراں باشد!

اتحادِ المسلمین کی نشاۃِ ثانیہ

حیدرآباد فرخندہ بنیاد میں بھی مسلمانوں کی حالت بحیثیت مجموعی مسلمانانِ ہند سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھی تاہم اسلامی سلطنت ہونے کے اعتبار سے مسلمانوں کی حالتِ پستی کی آخری سطح پر اگرچہ نہ آئی تھی لیکن غفلت شعاری اور باہمی عداوت نے ان کو اساسِ دین کی تحفظ سے بیگانہ کر دیا تھا۔

حالات سے متاثر ہو کر رسمی طور پر بعضی رجحانات کے مطابق حیدرآباد میں بھی وقتاً فوقتاً انجمن سازی کا احساس پیدا ہوتا رہا لیکن احساس وقتی اور بڑی حد تک جذباتی ہونے کے باعث تعمیرِ ملت کا فریضہ ہر جدید ادارہ کے لئے بارِ گراں ثابت ہوا خصوصیت کے ساتھ حیدرآباد کی ضاملت کے خالص تعمیری کاموں کے لئے چند مخصوص اسباب کی بنا پر ناسازگار ثابت ہونے کے علاوہ نت نئے مصائب و آلام کا باعث بنتی رہی۔ راستہ کی اس حوصلہ شکن رکاوٹ نے بڑے بڑوں کے قدم کو جادۂ عمل سے ڈگمگایا ہے لیکن جب غیرتِ حق کو حرکت ہوتی ہے تو وہ عمل کی

بے پناہ طاقتیں بخشکر ایک مرد دانا کو ملت کی قیادت کا منصب عطا فرماتی ہے۔ چنانچہ اس نازک موقعہ پر امرائے دکن کے ممتاز طبقہ سے ایک دردمند انسان — نواب بہادر یار جنگ بہادر اَیَّدَہُ اللّٰہُ وَنَصَرَہٗ — کو خدا نے اسلام کے مخلص سپاہی اور خدمت گذار کی حیثیت سے کھڑا کر دیا جن کے پہلو میں ملت کا درد اور جن کے جسم کی ایک ایک رگ میں خون کی بجائے اخلاص و محبت کی آتش سیال گردش کر رہی ہے اس مرد مجاہد نے اپنے چند مخلص معاونوں کے ساتھ اتحاد المسلمین کے قدیم ادارے کی تجدید کی اور اس کے پلاٹ فارم سے "اعتصام بحبل اللہ" کا پیغام سنایا جو مسلمانوں کی ہر جہتی فلاح کا واحد ذریعہ ہے۔

رمضان ۵۶ھ میں اتحاد المسلمین کی نشاۃ ثانیہ عمل میں آئی آغاز عمل کے ابتدائی دنوں میں اس کی مساعی باہمی رشتۂ اخوت و مودت کو مستحکم کرنے میں مرکوز رہیں۔ اسلام کے مختلف فرقوں کے با اثر نمائندوں کو ایک مرکز پر جمع کیا گیا اور عوام کو بھی اسی مرکز کے ساتھ وابستہ ہونے کی دعوت دی گئی۔ وقت کا اقتضاء، زمانہ کی روش اور سب سے زیادہ خدا کی نصرت عین وقت پر مسلمانوں کے شامل حال ہوئی۔ اور اتحاد المسلمین کا ٹھٹھرا ہوا پودا نشو و نما کے آثار دکھانے لگا ۵۶ھ کے اوائل میں توفیر رکنیت کے کام میں بڑی سرگرمی رہی۔ محلہ واری تنظیم کے لئے مسلمانوں کے آگے ایک مختصر سا لائحہ عمل رکھا گیا جس کو نوجوانوں کی جسمانی اور ذہنی قوی کی تربیت کا ایک عملی ہدایت نامہ کہا جا سکتا ہے۔ شہر اور اضلاع میں اس لائحہ عمل کے تحت تنظیم کا کام برابر ترقی پذیر رہا جو اس سے پیشتر صفر کے برابر تھا۔

یادش بخیر ابوالبیان مولوی خواجہ بہاؤالدین صاحب نے معتمد کی حیثیت سے اپنی تجارتی مصروفیتوں کے باوجود اتحاد المسلمین کے اس نوخیز پودے کی آبیاری میں شبانہ روز محنت و کاوش سے کام لیکر ایک انتھک باغبان کا فرض انجام دیا اور

اضلاع میں شاخوں کے قیام اور ارکان کی تعداد میں توفیر کی جانب توجہ فرمائی اور نتیجۃً مجلس کو مقبول عام اور نمائندہ ادارہ بنانے میں بڑی حد تک کامیابی حاصل کی۔

مجلس اتحاد المسلمین کی نشاۃ ثانیہ کا سال اوّل جمہور مسلمین میں احساس و شعور پیدا کرنے میں فی الجملہ کامیاب ثابت ہوا۔ مقامی، صوبہ واری، قصباتی اور ضلعواری شاخوں کے قیام میں مسلمانوں نے عام طور پر دلچسپی کا اظہار کیا اور عملاً مسلمانوں کے لئے مجلس کے قیام و بقا کی ضرورت کا ہر جانب سے اعتراف کیا گیا اس ابتدائی کوشش نے تعمیری مقاصد کی پیش رفت کے لئے زمین ہموار کردی اور غفلت و جمود کی جو یاس انگیز حالت مسلمانوں پر طاری تھی بارے شکر کہ دُور ہونے لگی۔ یقیناً مجلس کا یہ عظیم الشان کارنامہ بلکہ اعجاز ہے کہ اس نے ایک ہی سال کے اندر اس مقصد عظیم کو حاصل کرلیا جو قوموں کی ارتقاء کی شرط اوّل ہے۔

اس مہتم بالشان کامیابی کے لئے مجلس مبارکباد کی مستحق ہے۔ بالخصوص عامۃ المسلمین کی نذر عقیدت اور مخلصانہ تہنیت کا گراں بہا تحفہ مجلس کے یمین و یسار روح و رواں، سترہ لاکھ مسلمانان دکن کے قائد واحد لسان الامت نواب بہادر یار جنگ بہادر ہی کی خدمت میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ ؎

اپنی قسمت سے الٰہی پائیں یہ رنگ قبول　　پھول کچھ ہم نے چنے ہیں ان کے دامن کیلئے

مجلس کے تجدیدی دور کا سال دوّم

مجلس اتحاد المسلمین مسلمانان دکن کی بلا اختلاف نمائندہ جماعت تسلیم ہوچکی ہے۔ سرکاری اور غیر سرکاری حلقوں میں اس کے وزن کو محسوس کیا جارہا ہے۔ ملک میں اس کا وقار قائم ہوچکا اور اس کی دلعزیزی روز افزوں ہونے لگی۔

۲ ر شوال ۵۷ھ کو صدر مجلس نے اپنا سالانہ جلسہ شہر کے مشہور و معروف ایڈوکیٹ مولوی ابو الحسن سید علی صاحب کی صدارت میں منعقد کیا۔ اجلاس صحیح معنوں میں

مجلس کی مقبولیت عام کا حیات افروز منظر تھا۔ صرف مقامی جرائد کی شائع شدہ اطلاع پر مسلمان جوق جوق جلسہ میں شریک ہوئے۔ ہر طبقہ اور ہر فرقہ کے فروعی اختلافات جو کل تک ملت اسلامیہ کی مرکز میں ہارج ہو رہے تھے آج ان کا کہیں پتہ نہ تھا۔ جلسہ میں صرف فرزندان توحید کا اجتماع تھا جو ناموس شریعت اور امانت توحید کی صیانت کے لئے سرفروشانہ جذبات کے ساتھ جمع تھے۔ بیت الامت (مہدوی منزل) کی وسعت مسلمانوں کے عظیم الشان مجمع کے لئے ناکافی تھی۔ سالانہ جلسہ کے دونوں اجلاس میں مسلمانوں نے مسائل حاضرہ پر کامل تدبر و سنجیدگی کے ساتھ بحث کی اور ایک تعمیری نظام نامہ مرتب کیا۔ آئندہ سال کے لئے ہر طبقہ کی نمائندگی کا لحاظ کرتے ہوئے کابینہ ترتیب دیگئی۔ جلسہ سالانہ کے صدر مولوی ابو الحسن سید علی صاحب معتمد منتخب کئے گئے۔ مولوی صاحب موصوف ملک کے ایک سنجیدہ، مفکر اور صاحب تدبیر ایڈوکیٹ ہیں اپنی حکمت عملی اور اصابت رائے کی وجہ شہر کے تمام مکاتیب خیال میں اپنا ایک خاص وزن رکھتے ہیں۔ اس انتخاب نے بلاشبہ مجلس کے وقار میں چار چاند لگا دئے۔ آپ نے مجلس کی معتمدی کا منصب ایسے نازک وقت پر قبول فرمایا جبکہ حکومت نے مجلس کو فرقہ وار ادارہ قرار دیکر ملازمین سرکار کو شرکت سے منع کر دیا تھا۔ حکومت کا ہر مسلمان ملازم مجلس اتحاد المسلمین کو اپنے لئے خنجر ممنوعہ متصور کرنے لگا۔ ملک کے افراد حکومت کے نزدیک اپنے امتیاز، اثر و رسوخ کو برقرار رکھنے کے لئے مجلس سے کامل علیحدگی اختیار کر لی۔ مولوی صاحب موصوف نے اپنی معاشی زندگی کے فروغ کو علانیہ خطرے میں محسوس کرتے ہوئے مخلصانہ جذبات کے ساتھ اپنے آپ کو ایک سچے خادم ملت کی حیثیت سے پیش کر دیا جو ایثار اور ملی ہمدردی کی ایک غیر معمولی مثال ہے۔ توقع تھی کہ حدید کا بنیہ سال بھر دلجمعی کے ساتھ مسلمانوں کے تعمیری امور کی تکمیل میں مصروف رہے گی لیکن ملک کے حالات نے مجلس کو سیاسیات کی

وادی پُرخار میں قدم رکھنے پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ سال بھر کی عرض مدّت میں نفاذِ اصلاحات کے سلسلہ میں مجلس کو سیاسی میدان جنگ میں سینہ سپر ہونا پڑا۔ دانشمند سپاہیوں کی اس مختصر سی جماعت نے اپنے صاحب تدبیر سپہ سالار نواب بہادر یار جنگ بہادر کی قیادت میں انتہائی خلوص کے ساتھ استقلال و پامردی کا ثبوت دیا اور بڑے سے بڑے ایثار کے لئے بھی دریغ نہ کیا۔ سالار عسکر کو بلاشبہ بیک وقت کئی محاذ سے سابقہ تھا۔ ایک طرف ناداں دوست اور دانا دشمن صف آرا تھے دوسری طرف مسلّح حریف اور دوست نما دشمن کے معاندانہ حربوں کا مقابلہ تھا، تیسری طرف حکومت کے آگے جو بہرحال اسلامی حکومت ہے روایاتی اطاعت کے ساتھ اپنے جائز حقوق کا مطالبہ پیش کرنا تھا، چوتھی جانب اپنی جماعت کے نزدیک صیانت حقوق اور اس کی جوابدہی کا بارگراں شانوں پر محسوس ہو رہا تھا۔ ابتلاء اور آزمائش کی ایک کٹھن منزل تھی جہاں ملّت اسلامیہ دکن کے تہتے لشکر کا تہتہ سالار ایمان راسخ اور عمل مسلسل کے حصن حصین میں بیٹھ کر یکہ و تنہا مقابلہ کر رہا تھا۔ غالباً ایسے ہی نبرد آزماؤں کے لئے خدا کی نصرت آسمان کی بلندیوں سے نازل ہوتی ہے چنانچہ خدائے مسبب نے اس دردمند کی مخلصانہ سرگرمیوں کا صلہ عطا فرمایا۔ ع

شکر نعمتہائے او چندان کہ نعمتہائے او

اب اس امر کی تفصیل کہ اس جہاد میں کہاں تک کامیابی ہوئی صرف مجلس کے اربابِ اقتدار کو حق پہنچتا ہے کہ وہ موزوں اور صحیح وقت پر عوام کو نتائج سے مطلع کریں لیکن اس قدر عرض کر دینا بے محل نہ ہوگا کہ ناواقف کاروں اور ظاہر بینوں کو میدان سیاست کے اس معرکہ کی اہمیت کا پورا پورا احساس نہ ہو لیکن جن دوررس نگاہوں نے اس کو قریب سے پرکھنے کی کوشش کی ہے اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتیں کہ دوران جہاد میں ملّت اسلامیہ دکن کی سیاسی برتری کی تاریخ مرتب ہو رہی تھی۔

دکن میں ہندو مسلم عداوت کے بیرونی عناصر

قائدین ملت کی مساعی مشکور ہو رہی ہیں۔ عامۃ المسلمین میں مرکزیت کے ساتھ ساتھ بیداری پیدا ہوتی جا رہی ہے۔ مسلم نوجوانوں میں سیاسی شعور زندہ ہو رہا ہے اور اس کے دوش بدوش قدرتی قانون کے بموجب مخالف طاقتیں بھی وجود میں آنے لگی ہیں۔ باطل قوتیں تعمیر خویش سے آزاد ہو کر تخریب حریف کی طرف مائل ہیں۔ ہندو مسلم دو ہمسایہ قومیں جو سرزمین دکن پر گذشتہ سیکڑوں سال سے باہمی رواداری کے ساتھ زندگی بسر کرتی رہی ہیں بیرونی مفسدہ پردازوں کی بے پناہ ریشہ دوانیوں کا شکار بن گئیں جنھوں نے ان کی باہمی صلح و آشتی کو تاراج کر ڈالا اور ملک فرقہ وارانہ تصادم اور ہنگاموں کی آماجگاہ بن گیا۔ جانبین میں غم و غصہ نفرت و حقارت کے جذبات تیز ہونے لگے اور بالآخر ملک کی دو بڑی اور اہم جماعتوں کے مابین تعصب و عداوت کی خلیج حائل ہو گئی۔

یہاں اجمالاً اس صورت حال کی توضیح بے محل نہ ہوگی جو ہندو مسلم جماعتوں کی خلیج عداوت کو وسیع تر کرنے کا باعث ہوئی۔

برطانوی ہند میں صوبہ وار خود مختاری کے نفاذ کے بعد کانگریس نے جس کی ہیئت ترکیبی سے اب ساری دنیا واقف ہو چکی ہے، ہندوستان میں ہندو راج کے قیام کا خواب دیکھنا شروع کیا اور اس خواب شیریں کی تعبیر حاصل کرنے کے لئے عملی جد و جہد شروع کر دی گئی۔

یہ حقیقت روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ کانگریس اپنے وجود کی تاریخ سے ریاستوں کے معاملات میں عدم مداخلت کے اصول کی حمایت کرتی رہی لیکن ہری پورا جلاس کے انعقاد تک صوبہ وار خود مختاری نے چونکہ اس کے بازو قوی کر دئے تھے کانگریس نے غیر آئینی طریقہ پر ریاستوں میں مداخلت کی پالیسی اختیار کرنی شروع کر دی۔ مرکزی ادارہ

کی حیثیت سے کانگریس کی تائید و حمایت پر مختلف ہندو اداروں نے ریاستی حکومتوں کے خلاف ایجیٹیشن شروع کر دیا۔ اور ریاستوں میں اس کی نوعیت خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو مملکت آصفیہ کے حدود میں آریہ سماجی جماعت کو آلۂ کار بنا کر مذہبی آزادی کے پردے میں سیاسی اقتدار کے حصول کا راگ الاپا جانے لگا اور ایک کھلے حریف مقابل کی طرح مذہب و سیاست کے ذو دھاری حربہ سے اسلامی ریاست کی عدیم النظیر روادارانہ مخصوصیات کو مجروح کرنا شروع کر دیا۔ برطانوی ہند کے طول و عرض میں غلط پروپگنڈا کے ذریعے زہر اگلا گیا کہ "نظام کی اسلامی حکومت میں ہندو دھرم کو آزادی نصیب نہیں ہے۔ ہندو جاتی کو شہری حقوق سے محروم کر دیا گیا ہے"۔ ان بے سر و پا الزامات کی اس کثرت کے ساتھ تشہیر و اشاعت کی گئی کہ برطانوی ہند کے مسلم اور غیر مسلم سنجیدہ اکابر بھی آصفی مظالم کے ان مفروضہ افسانوں کو سن کر انگشت بدنداں رہ گئے اور ہر نقطۂ خیال کے جرائد میں حکومت کی تشدد آمیز پالیسی پر اظہار افسوس کیا جانے لگا اس رسوا کن عمل کے خلاف حکومت کی طرف سے جوابی کارروائی میں غیر معمولی تساہل برتا گیا۔ جوں جوں دشمن کا حملہ قوی ہوتا رہا حکومت اپنے خلاف غیروں کی تنقید سے دفع غلط فہمی پر آمادگی کے بجائے سہمنے لگی۔

حمایت حق و انسداد باطل

اس موقعہ پر اتحاد المسلمین نے اپنا فرض محسوس کیا اور کامل احساس دردمندی کے ساتھ اسلامی حکومت کے خلاف اس افترا پردازی کے انسداد کا عزم کیا۔ مولوی فضل حسین صاحب وکیل ہائیکورٹ کی قیادت میں ایک وفد جو ارکان مجلس عاملہ کے ممتاز اراکین پر مشتمل تھا۔ برطانوی ہند کے دورے پر روانہ کیا گیا تاکہ اسلامی حکومت کے خلاف آریہ سماجی غلط بیانیوں کی تردید کرے۔ حقائق سے ذمہ دار افراد اور ادارہ جات کو روشناس کرائے تقریباً دو مہینے کے طویل دورہ کے بعد وفد فائز المرام واپس آیا۔ اور خود حیدرآباد میں

مجلس نے حکومت کو اس کے ایک سچے خیر خواہ کی حیثیت سے مشورے دئے اور ملک میں دہشت انگیزی امن سوزی کی جو ناپاک مساعی اختیار کی گئی تھیں ان کے قرار واقعی تدارک کی جانب متوجہ کیا اگرچیکہ برون خانہ مجلس نے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرلی لیکن درون در اس کی مساعی نتیجہ خیز ثابت نہ ہوسکیں۔ آریہ سماجی ادارے اپنی معاندانہ کارروائیوں میں برابر مصروف رہے اور شہر عافیت سوز اور امن شکن ہنگاموں کا شکار ہوتا رہا۔ لیکن حکومت نے مدافعت میں اپنے دست آہنی کی قوت دکھانے کے بجائے غیر معمولی شفقت سے دشمن کے دل بڑھائے حتیٰ کہ اس کی دھمکیوں سے متاثر ہوکر ایک سے زیادہ دفعہ اصلاحات کی صورت میں مطالبات کی تکمیل کا وعدہ کرلیا۔ اور عملاً ثابت کردیا کہ حکومت آصفیہ کوئی اسلامی حکومت نہیں بلکہ ایک ایسی قومی حکومت ہے جس کے نزدیک مسلم طبقہ سے زیادہ ہندو طبقہ کی خاطر منظور ہے۔ یہی وقت تھا جبکہ مجلس اتحاد المسلمین کا پیمانۂ صبر و شکیب لبریز ہوگیا اور اسلامی حکومت کے شش صد سالہ وقار و اقتدار کو حالت نزع میں دیکھ کر اس کی بقاء و قیام کے لئے کمربستہ ہوگئی۔ اب مجلس پر دوگونہ فرائض کی ذمہ داری کا بار تھا ایک جانب حکومت کو اس کے سچے مشیر کی حیثیت سے آصفی تخت و تاج کے وقار و اقتدار کی حفاظت کا مشورہ دیا اور دوسری جانب ملت اسلامیہ کے اس منصب کی صیانت میں ساری قوت صرف کردی جو ایک فاتح قوم اور گذشتہ چھ سو سال سے حکومت کا دست راست ہونیکی حیثیت سے اس کا حق ہے۔

اس موقعہ پر ایک غیر جانبدار کے ذہن میں فطرتاً دونوں جماعتوں کی نسبت یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ مجلس اتحاد المسلمین کی جدوجہد اور ہندو برادری کی ہنگامہ پروری آیا مبنی بہ صداقت تصور کیجا سکتی ہے یا محض ناجائز طریقہ پر ملک میں شورش و ہنگامہ کے ذریعہ یہ جماعتیں اپنے اپنے اغراض کی تکمیل کرنا چاہتی ہیں۔ اس کے لئے ہم صرف ان واقعات کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں جن سے خود بخود نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے۔

ہندو ہنگاموں کے پیچھے مذہبی عدم آزادی کی شکایت تھی لیکن جگت گرو شنکر آچارج کی حیدر آباد کے طول و عرض میں آزاد تحقیقات اور نتیجۃً ان کے بے لاگ بیان کی اشاعت کے بعد آریہ سماجی بے بنیاد پروپگنڈہ کی حقیقت طشت از بام ہوگئی اور عام طور پر محسوس کیا جانے لگا کہ مذہبی آزادی کے اس مہین پردہ میں سیاسی اقتدار کی تمنا بے چین ہے جس کو حق بجانب ثابت کرنے میں ایک ہی استدلال پیش کیا جاتا ہے اور اس کو

"یعنے اکثریت کو حکومت کا حق ملنا چاہیئے"

کے اجمال میں ادا کیا جاسکتا ہے۔

تاریخی حقائق کی روشنی میں اوّل تو اکثریت کا زعم، زعم باطل کے سوا کچھ نہیں۔ تاریخی شہادتیں اس دعوے کی پوری قوت کے ساتھ نفی کرتی ہیں کہ دنیا میں کہیں کسی قوم نے صرف تعداد کی اکثریت کی بناء پر حکومت کی ہو۔ اس سے قطع نظر کسی ایسے ملک میں جو مختلف اقوام و ملل کا معجون مرکب ہو اور جن کے مابین ثقافتی، لسانی اور مذہبی خدمت سے کوئی یکسانیت یا ہم آہنگی نہ پائی جاتی ہو ان کو محض ایک جغرافی رقبہ میں رہنے کی وجہ سے متحدہ قومیت کے سانچے میں ڈھال کر جمہوریت کی ترویج میں سعی کرنا اصول جمہوریت سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

کسی ملک میں جمہوریت کی کامیابی کے لئے ذیل کی شرائط بہت ضروری ہیں:۔

۱۔ مشترک تمدن ۔ معاشرتی مذہبی مقاصد کے علاوہ معاشی خیالات میں یکسانیت۔

۲۔ ہم آہنگ قوم میں صرف عملی سیاسی نظریہ میں اختلاف کی بناء پر اقلیت و اکثریت کا قیام۔

۳۔ اقلیت و اکثریت کی معاشی لائحہ عمل کی بناء پر تغیر پذیری۔

ان ہی اصولوں کی بنیاد پر اسلام نے بھی جمہوریت کی تعلیم دی اور ایسی ہی جمہوریت یورپ کے بعض ممالک میں کامیاب ہے۔

ان ٹھوس حقائق کے باوجود ہندو برادری کے اصول اکثریت کو تسلیم کر لیا جا سکتا ہے بشرطیکہ اس بلند بانگ دعوے میں اخلاص یا حقیقت کا کسی قدر شائبہ بھی پایا جائے۔ ہندو جماعت سودر اور اچھوتوں کو شامل کر کے اپنی اکثریت کا دعویٰ کرتی ہے جس کو ابتدائے شعور سے اس نے قومی جسد کے ایک گندہ ترین عضو کی طرح کاٹ کر الگ پھینک دیا جس سے اس نے معاشی اور معاشرتی تعلقات کا رشتہ منقطع کر دیا۔ اس کو دین اور علم کی نعمتوں سے حکماً اور مذہباً محروم کر دیا جس کی روداد تاریخ کے عمرانی پہلو کی بڑی دردناک سرگزشت ہے

اس بے زبان، کثیر تعداد خدا کی مخلوق کو الگ کرنے کے بعد ہندو جماعت عبارت ہے صرف چند لاکھ تعلیم یافتہ برہمنوں اور چند سو مہاجنوں کا جو باہمی سازش کے ذریعہ پوری جماعت پر مسلط ہو چکنے کے بعد ہمسایہ اقوام سے اکثریت اور اقلیت کے نام پر سیاسی برتری حاصل کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں، اور اسی ذریعہ سے اونچی ذات کے ایک دو مخصوص طبقوں کا تمتع مطلوب ہے۔

ہندوستان اور دکن میں اسلامی دور حکومت سے قبل اعلیٰ ذات کے ہندوؤں نے نیچ ذاتوں کے مقابلہ میں استبداد، معاشی دستبرد اور معاشرتی مظالم کے جو تاریخی شاہکار پیش کئے ہیں وہ انسانیت کو لرزہ براندام کرنے کے لئے کافی ہیں۔ پرتھوی راج کے عہد میں اچھوتوں اور نیچ ذاتوں کی زبون حالی تاریخ کے اوراق سے محو نہیں ہو چکی ہے۔ بہمنی سلطنت کے قیام سے پہلے دکن کی سرزمین کم و بیش (۳۰) چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم ہو چکی تھی جہاں نظام حکومت کا کوئی دستور موجود نہ تھا۔ قانون نام تھا راجہ صاحب کے برہمن مشیروں کی خود غرضانہ پالیسی کا جس نے رعایا کو بیرحمی کے ساتھ انسانی حقوق سے محروم کر دیا تھا۔ آج ہندوستان کے طول و عرض میں اسی ظالمانہ مسلک کے نام نہاد وارث پھر اسی خزینہ کا اعادہ کرنا چاہتے ہیں جو تاریخ انسانی کی سب سے زیادہ وحشتناک اور ظالمانہ شہنشاہیت (امپریلزیم) کی مثال ہے۔

ان حقائق کے باوجود اگر سوال صرف حصول استبداد اور خود غرضی کا ہے تو ایک مخصوص جماعت کے اس مطالبۂ آزادی کو کس طرح حق بجانب تسلیم کیا جاسکتا ہے؟ جس کی مستبدانہ روش ساری دنیا پر واضح ہو چکی ہے۔

اگر ہمارا یہ نقطۂ نظر و غور التفات ہے تو یہ تسلیم کرنے میں تامل نہیں ہونا چاہیئے کہ فرقہ پرستانہ اکثریت کی سیاسی برتری، آزادی اور حق رسی کی اصطلاحوں میں کوئی معنے نہیں پائے جاتے البتہ سوال صرف کشمکش اور تنازع کا رہ جاتا ہے جہاں اخلاقی اصول کی رہنمائی مفید نہیں ہوا کرتی اور منطقی دلائل و براہین اپنی سپر ڈال دیتے ہیں، صرف قوت اور طاقت ہی کے حربے فیصلہ کن ثابت ہو سکتے ہیں۔

اس صورت حال کو حکومت کے ارباب حل و عقد پر واضح کرنے اور اپنے حق کو منوانے میں مجلس ابتداً ایک ضدی جماعت اور بالآخر حریف کی حیثیت سے حکومت کی آنکھوں میں کھٹکنے لگی۔ لیکن حق و صداقت کا نصب العین جس کو ایک دفعہ مسلمانوں کی رائے عامہ نے متعین کر کے مجلس کے سپرد کر دیا تھا اس کے حصول میں مجلس کے قائد اعظم نواب بہادر یار جنگ بہادر نے اپنی ذاتی وجاہت، شخصی امتیازات کو خطرہ میں ڈال کر جمہور مسلمین کی سپرد کردہ امانت کی پوری پوری حفاظت کی۔ تحریر، تقریر، گفتار، کردار اصالت، وکالت غرض جد و جہد اور عمل کا کوئی ذریعہ فروگزاشت نہیں کیا گیا جو بالواسطہ یا بلاواسطہ حصول مقصد سے متعلق رہا ہو۔

ہندو مسلم گفتگو و مفاہمت مجلس اتحاد المسلمین اپنی حریف جماعت کے سیاسی داؤ پیچ سے واقف ہو کر اور اس کی نیتوں کا صحیح اندازہ کر کے بطور مدافعت اگرچہ مسلم حقوق کی حفاظت کا کام کر رہی تھی لیکن مجلس نے کبھی ہندوؤں کے ساتھ ایک باعزت سمجھوتہ کرنے میں پہلو تہی نہ کیا۔

مجلس اصلاحات کا تقرر مسلم حیدرآبادی قوم پرست طبقہ کے روح رواں

میر اکبر علی خان بیرسٹر کی کوشش سے نواب بہادر یار جنگ بہادر نے مشترکہ پلیٹ فارم کی دعوت تعبیر پر لبیک کہی اور عامتہ المسلمین سے خط اعتماد حاصل کر کے پورے اخلاص کے ساتھ حصول مفاہمت کی کوشش کی۔ ہندو قائدین کے ساتھ مسلسل ۱۴ نشستوں میں شرائط مفاہمت تقریباً طے ہو چکے تھے اور متفقہ فیصلے کی حیثیت سے حکومت کے سامنے پیش کئے جانے والے تھے کہ سر صدر اعظم بہادر نے آبان ۱۳۴۶ف کو مجلس اصلاحات کے تقرر کا اعلان فرمایا۔ اس اعلان نے باہمی مفاہمت کی نہ صرف قیمت گھٹا دی بلکہ ملک میں خالص فرقہ وارانہ مسابقت، تعصب اور منافرت کے جذبات کی پرورش کا نہایت ہی موزوں ماحول پیدا کر دیا۔

کمیٹی کی تشکیل اگرچہ کہ فرقہ وارانہ نیابت پر عمل میں آئی تھی لیکن حکومت کے نامزد شدہ مسلم ارکان کو عامتہ المسلمین کا کوئی اعتماد حاصل نہ تھا۔ مجلس اتحاد المسلمین نے اپنے حقوق کے متعلق نہایت مبسوط و مدلل یادداشت کمیٹی میں پیش کی اور ملک کے حالات کی مناسبت سے مشورے دئے اور کمیٹی کو ان تمام حقائق سے آگاہ کیا جن کی روشنی میں ایک اچھے دستور کی تدوین ممکن ہو سکتی تھی۔ مجلس حصول مقصد کے صرف اسی ایک ذریعہ پر قانع نہ ہوئی بلکہ اس نے جد و جہد کے ہر اس آئینی پہلو کو اختیار کیا جس کے ذریعہ اسلامی ریاست کے وقار اور مسلم حقوق کی صیانت کا مقصد حاصل ہو سکتا تھا۔

مفاہمت کی دوسری کوشش اسی اثناء میں قوم پرست طبقے کے بعض افراد کی کوشش سے دوبارہ گفتگوئے مفاہمت کی سلسلہ جنبانی ہوئی۔ ہندو جماعت کی نیابت کا فرض مسٹر نرسنگراؤ نے ادا کیا۔ مسلم طبقہ کی طرف سے نواب بہادر یار جنگ بہادر کی قیادت تو بہر حال مسلمہ تھی لیکن راؤ صاحب کی نمائندہ حیثیت البتہ توثیق طلب تھی۔ ابتداً اپنی جماعت سے مسٹر موصوف کو خط اعتماد حاصل کرنے میں بڑی بڑی مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا جس کی وجہ

گفتگوئے مصالحت کی ناکامی کا اندیشہ پیدا ہو چکا تھا لیکن بالآخر پوری کوشش کے ساتھ اپنی جماعت کے تمام مکاتیب خیال کو مطمئن کر کے مسٹر نرسنگ راؤ نے خط اعتماد حاصل کیا گفتگو اپنے ابتدائی مراحل میں بحیثیت مجموعی بہت کامیاب اور امید افزا رہی لیکن حکومت کی نوعیت کے مسئلہ پر جانبین کا اصرار شدت اور بالآخر انقطاع گفتگو پر منتج ہوا جیسا کہ شایع شدہ مکتوبات سے ظاہر ہوتا ہے۔ مسٹر نرسنگ راؤ کا مطالبہ تھا کہ ذمہ دارانہ حکومت کو بعد نصف العین کی حیثیت سے تسلیم کر لیا جائے۔ لیکن نواب صاحب کو اس نقطہ پر بحث ہے کہ گفتگو کی پہلی منزل میں طے ہو چکا تھا کہ موجودہ طریق حکومت کی تبدیلی کا نہ تو کوئی مطالبہ کیا جائے گا اور نہ مستقبل کے لئے کوئی شرط یا پابندی عاید ہو سکے گی۔

انقطاع گفتگو کے اسباب اگر گفتگوئے مفاہمت کامیاب ہو جاتی تو شاید حکومت کے لئے بھی خیر مند ہوتی قابل قبول ہو سکتا تھا کہ مقرر کردہ مجلس اصلاحات تحلیل کر دی جاتی اور حکومت جو مفاہمت کے منظور شدہ نتائج کا بے چینی کے ساتھ انتظار کر رہی تھی، توثیق کر کے ان کے مطابق دستور جدید نافذ کر دیتی لیکن فطرت کے قانون نے اجازت نہ دی کہ سیاسیات کی سرگرمی عجلت اور سکون کے ساتھ ٹھکانے لگے۔ صاحبان عظم اور مردان دلیر کے دعوے کی صداقت پرکھنے کے لئے قدرت کو امتحان مقصود تھا۔ دعویداروں کو ایثار و قربانی کی منزل سے گزرنا تھا۔ چنانچہ گفتگو کے اس تعطل کے بعد آریہ سماجی فتنے آندھی کی طرح اٹھنے لگے تنظیم و قوت کے مظاہرے سیلاب کی طرح منظر عام پر آنے لگے۔ آریہ سماج، مہاسبھائی ادارے اور ہندو سیول لبرٹیز یونین جیسی جماعتوں کے ساتھ ساتھ اسٹیٹ کانگریس بھی وجود میں آئی اور ان خالص فرقہ وارانہ اداروں کے دوش بدوش اس نام نہاد قومی جماعت نے گفتگوئے مفاہمت کے دوران ہی میں ستیہ گرہ شروع کر دی۔ جامعہ کی پرسکون علمی فضا میں جہاں ہونہار طلبہ کو فرقہ وارانہ سیاسیات کے جراثیم سے محفوظ

رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے بالآرادہ ہندو طلبہ کو اکسا کر بندے ماترم، کا فتنہ کھڑا کیا گیا ستیہ گرہ اور سول نافرمانی کی مہم آغاز کی گئی۔ فرقہ وارانہ ہنگاموں کا بازار گرم ہونے لگا بم پھٹے بیسیوں بندگان خدا کو ناحق ضرر پہنچایا گیا تاکہ حکومت متاثر ہو کر فوراً ان کے نام پروانۂ حریت، تحریر کر دے۔

فرقہ وارانہ مقاصد کے حصول میں یہ غیر آئینی جد و جہد اور اس کے مقابلہ میں حکومت کا سکوت بے محل ایک ایسا اشتعال تھا جس نے مسلمانوں کے جذبات کو ناگوار حد تک برانگیختہ کر دیا۔ فرقہ وارانہ فسادات کی بہامی نے اس مجاہد قوم کے افراد کو بھولا ہوا درس جہاد یاد دلا دیا اور ان دیوانوں کے لئے "ہو" کا ایک اشارہ سارے شہر کو میدان کارزار بنانے کے لئے کافی تھا۔ دھول پیٹہ کے قیامت زا ہنگامہ میں نواب بہادر یار جنگ بہادر کے دو نوجوان بھانجوں کی شہادت کے الم انگیز حادثہ نے مسلمانان حیدرآباد میں عموماً اور افغانوں کے طبقہ میں خصوصاً انتقام کی آگ بھڑکا دی تھی۔ سارے مسلمانوں کو مجلس اتحاد المسلمین کے حکم کا انتظار تھا۔ مجلس نے اس نازک وقت پر انتہائی حلم و تحمل کا ثبوت دیا۔ مجلس کے قائد اعظم نے مسلمانوں کے برانگیختہ جذبات کو کمال دانشمندی کے ساتھ قابو میں کر لیا چنانچہ فساد و ہنگامہ ہی کے دوران میں حکومت نے قائد موصوف کے اس عظیم الشان کارنامہ کا اپنے ابلاغیہ میں اعتراف فرمایا ہے۔

ایک طرف ہندو طبقہ کی ایک مقررہ اور تنخواہ یاب جماعت راست عمل کے سارے فرائض انجام دے رہی تھی۔ بیرونی مسلح جتھے شہر میں برابر داخل ہو رہے تھے اور دوسری طرف برطانوی ہند کے ہندو قائدین، تحریر کے ذریعہ اور بالمشافہہ خالص فرقہ وارانہ نقطۂ نظر سے اصلاحات کا خاکہ مرتب کرنے میں دخیل ہو رہے تھے اور وقتاً فوقتاً اس مداخلت کے نتائج جرائد کے ذریعہ منظر عام پر آتے رہے جس سے اس

طبقہ کے ساتھ حکومت کی روش کا پورا پورا اندازہ ہو رہا تھا۔

مسلم روش باعتبار ریاست اسلامی، مملکت آصفیہ سے مسلم ہندوستان کی عقیدت و تعلق سے کبھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ریاست کے طول و عرض میں اس سیاسی خلفشار سے متاثر ہو کر ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے مسلمانوں نے مجلس کے لئے رضاکارانہ خدمات پیش کیں۔ حکومت کی پریشانیوں میں اضافہ کرنے کے لئے مجلس مسلمانان ہند کے تعاون سے نہایت آسانی کے ساتھ راست عمل کا ایک متوازی محاذ تیار کر سکتی تھی لیکن اس نے صرف خدا کی نصرت پر نظر رکھی اور اپنی قوت پر بھروسہ کیا اور بیرونی اعانت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ مسلم لیگ کے پٹنہ اجلاس میں مولوی ابوالحسن سید علی صاحب معتمد صدر مجلس نے ممتاز اکابر ہند کے خصوصی اجتماع کے سامنے غیر مبہم الفاظ میں اس نقطۂ نظر کی وضاحت فرمائی کہ حیدرآبادی اپنے قضیوں کو آپ بہتر طریقہ پر فیصل کر سکتے ہیں اندرونی معاملات کے سلجھانے میں مسلمانان دکن کا وقار اور جذبۂ خودداری بیرونی اعانت کو کبھی گوارا نہیں کر سکتا۔ غرض کہ مجلس نے بے ضرورت شورش سے ہمیشہ اجتناب کیا اور حصول مقصد میں تخریبی ذرائع کے استعمال کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا۔ لیکن حالات کی نوعیت اور حکومت کے منشاء سے ہمیشہ باخبر رہنے کی کوشش کی۔ ہندو جماعت کے اس شدید اصرار پر جو غیر آئینی طریقہ عمل کا حامل تھا حکومت نے نفاذ اصلاحات کی نسبت اپنے غیر معین ارادہ کو معین کر دیا وقتاً فوقتاً اس کے اعلان کی تواریخ کا تعین کیا جانے لگا۔ یہ دور بلاشبہ مسلمانان دکن کی آزمایش کا وقت تھا۔ چنانچہ مجلس نے حکومت کے طرز عمل پر سخت نکتہ چینی شروع کی لیکن اس کی یہ تنقید کبھی اوروں کے راستہ میں رکاوٹ ثابت نہ ہوئی بلکہ اس سے اپنے مفاد کی حفاظت میں سپر کا کام لیا جاتا رہا۔

تحریک التواء اور اسکی حمایت آئنگار کمیٹی کے تقرر کے بعد ملک کی فضاء بے اعتمادی، شکوک، اور شبہات سے

ملو ہو چکی تھی جدوجہد کی فرقہ وارانہ گرمجوشیوں نے ہر طبقہ میں حکومت کی طرف سے اندیشے پیدا کر دئے تھے اور خصوصیت کے ساتھ مجلس اتحاد المسلمین کے شبہات کو تقویت اس طرح پہنچی کہ حکومت نے اصلاحات کی تدوین سے قبل کمیٹی کی سفارشات کی اشاعت سے انکار کر دیا اس لئے مسلمانوں کو یہ گمان کرنے کے کافی وجوہ پیدا ہو گئے کہ مجوزہ اصلاحات ان کے مفاد کے یکسر خلاف ہیں اتحاد المسلمین کی مجلس عاملہ نے ۱۳ اردی بہشت ۱۳۴۸ف کو اعلان اصلاحات کے التواء کی تجویز منظور کی جو ذیل کے تین اہم اجزاء پر مشتمل تھی :-

۱ ۔ اصلاحات کی نسبت رائے عامہ طلب کی جائے ۔

۲ ۔ موجودہ فضا اصلاحات کے لئے ناساز گار ہے لہذا اس کا اعلان ملتوی کر دیا جائے ۔

۳ ۔ تاوقتیکہ مسلم حقوق کا تعین نہ ہو کمیٹی کی سفارشات تدوین اصلاحات کی اساس قرار نہیں دیجا سکتیں ۔

گو التواء کی یہ تجویز چند قوم پرست افراد میں نامقبول رہی لیکن اس کی مذکورۂ بالا اہم تنقیحات کی بناء پر مجلس کی دانشمندی اور تدبر کا عام طور پر اعتراف کیا گیا حتیٰ کہ حکومت نے بھی چشم و ابرو کے پنہاں اشاروں اور دبی زبان کی غیر محسوس حرکت سے تجویز کی معقولیت کا اعتراف کیا امن و اتحاد کے عظیم الشان جلسہ میں، جو سر مہاراجہ کشن پرشاد کی اپیل پر اظہار تشکر کے لئے قوم پرستوں نے منعقد کیا تھا، نواب بہادر یار جنگ بہادر نے التواء کی بھی تجویز تشکر کے زیر دلپوشی کے ساتھ بطور اضافہ شریک کر کے پیش فرمائی تھی جو صرف چار مخالف آراء کے مقابلہ میں کئی ہزار آراء کی موافقت سے منظور کر لیگئی اس حقیقت کے بعد تجویز کی حمایت میں کوئی دلیل پیش کرنا تحصیل حاصل ہوگا ۔

مسلمانوں کی اس متفقہ آواز کے باوجود حکومت کی روش، اعلان اصلاحات اور مسلم مطالبات کے سلسلہ میں غیر اطمینان بخش رہی جس سے باخبر مسلم حلقوں کے اندیشے

زیادہ قوی ہو گئے چنانچہ مجلس نے حکومت کے سامنے اپنی بے اطمینانی ظاہر کرنے کے لئے جماعتی مظاہرہ ترتیب دینے کا فیصلہ کر لیا لیکن حکومت نے فوراً غیر مبہم الفاظ میں ملک کے اہم طبقوں کے حقوق و مفاد اور امتیازات کے تحفظ کا یقین دلایا اور مجلس ہی کے حکم سے مسلمانوں نے مجوزہ مظاہرہ کو ملتوی کر دیا۔

اس اطمینان کے بعد آئینی طور پر اتمام حجت کے خیال سے ۱۹ اردی بہشت ۱۳۴۸ف کو مجلس کے ایک وفد نے جو ممتاز ارکان عاملہ پر مشتمل تھا صدر اعظم بہادر کی خدمت میں ایک یادداشت پیش کی جو ذیل کے آٹھ مطالبات پر مشتمل تھی :-

۱۔ حیدرآباد کی حکومت کامل الاقتدار بادشاہت ہو جس پر ہمیشہ آصفی خاندان کا رکن متمکن رہے۔

۲۔ وفاق میں حیدرآباد کی شرکت، سیاسی اقتدار، مالیاتی توازن اور معاشی ترقی کے تحفظ کی شرائط کے ساتھ مشروط ہوگی۔

۳۔ دستور میں کوئی ایسی تبدیلی مسلمانان دکن کے لئے قابل قبول نہ ہوگی جس سے مسلم جماعت کی روایاتی سیاسی برتری متاثر ہو۔

الف۔ مقننہ اور مقامی حکومت خود اختیاری کی مجالس میں مسلمانوں کو آئینی اکثریت حاصل رہے۔

ب۔ مسلم نشستیں جداگانہ انتخاب کے ذریعہ پر کی جائیں۔

ج۔ مذہب یا تہذیب سے متعلق کوئی مسودہ قانون اس وقت تک قانون نہیں بن سکتا جب تک کہ اس فرقہ کے ارکان مقننہ کی تین چوتھائی تعداد اس کی موافقت میں رائے نہ دے۔

۴۔ اردو سرکاری اور تعلیمی زبان ہوگی۔

۵۔ ملازمت کو فرقہ واری تناسب کا مسئلہ نہ بنایا جائے کیونکہ مسلمانوں کیلئے

یہ نہ صرف تاریخی اور سیاسی وقار ہے بلکہ ان کا معاشی مسئلہ بھی ہے۔

۶۔ چونکہ بادشاہ کا مذہب اسلام ہے اس لئے عہدۂ صدر الصدوری اپنی روایتی خصوصیات کے ساتھ علی الحال قائم رہے اور مسلم اوقاف اور مسائل مذہبی کے انتظامات سے متعلق ایک آئینی مسلم ادارہ کو حکومت تسلیم کرلے۔

۷۔ شہری آزادی ہر فرقہ کو عطا کی جائے بشرطیکہ اس کو ناجائز طریقہ پر استعمال نہ کیا جائے۔

۸۔ زراعت، تجارت اور صنعت میں مسلمان نفی کے برابر ہیں اس لئے ان کیلئے دیگر وسائل معاش مہیا کئے جائیں۔

نواب بہادر یار جنگ بہادر نے ان واجبی مطالبات کو منوانے میں حکومت کے ارباب بست وکشاد سے گفتگو کا آغاز فرمایا اس اہم فریضہ کی ادائی میں آپ نے متعلقہ مسائل کی نسبت مشورت اور باہمی تبادلۂ خیال کے ذریعہ مختلف نقاط نظر سے واقفیت حاصل کی اور کامل تدبر کے ساتھ رائے عامہ کی نمائندگی فرمائی گویا لسان الامت ہونیکا حق ادا کر دیا نمائندگی کے اس دوران میں امید وبیم اور رنج ومسرت کے متعدد دور آئے اور گزر گئے لیکن قائد اعظم کے پائے ثبات کو لغزش نہ ہوئی۔ ملک وملت کے خادم صادق کی حیثیت سے نواب صاحب معزنے خدمت گزاری کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں فرمایا۔ اعیان حکومت کے ساتھ نرم وگرم گفتگو، پبلک تقاریر میں ان کی پالیسی پر تنقید، طویل تیز وتند تجاویز منظور کرنے کے سارے مرحلے طے کئے گئے لیکن حکومت کے اس تصور کو بدلنے میں کامیابی حاصل نہ ہوسکی جو ہندو فتنوں کی ہنگامہ خیزی نے پیدا کر دی تھی۔ اب صورت حال نے مسلم عوام میں حکومت کے خلاف سخت بدگمانیاں پیدا کر دیں اور غیر اعتمادی کے طوفانی جذبات میں مجلس اتحاد المسلمین کو راست عمل اختیار کرنے پر مجبور کیا جانے لگا۔ نواب بہادر یار جنگ بہادر جنھیں خود بھی حکومت سے بڑی شکایت پیدا ہو گئی تھی مسلسل دو تین ہفتوں تک مساجد میں مسلمانوں کے کثیر مجمع کو مخاطب فرماتے رہے، وقت کی

نزاکت کے لحاظ سے مناسب مشورے دئے۔ جذبات کو روکنے کی کوشش کی اور صبر و اطمینان کے ساتھ کامیاب نتائج کا انتظار کرنیکی تلقین فرمائی اور حصول مقصد میں سعی و پیہم کا سلسلہ برابر جاری رکھا لیکن مسلم مطالبات کو حق بجانب تسلیم کرنے میں حکومت کا تامل بدستور باقی رہا۔ رائے عامہ میں سخت ہیجان شروع ہو گیا اور جو بے اب تک عوام کو حکومت سے پیدا ہو گئی تھی اس کا رخ قطعاً مجلس اتحاد المسلمین کی جانب پھر گیا۔

موقع غنیمت پاکر اغیار کی مرکز گریز تدابیر کا مسلمانوں پر جال بچھ گیا اور ان کی اجتماعیت کو خطرہ محسوس ہونے لگا۔ قوم پرست طبقہ نے اپنے دائرۂ عمل کو وسیع کرنے کے لئے انجمن اتحاد و ترقی کی بنا ڈالی۔ اس کی تشکیل میں ممکن ہے کہ بانیان ادارہ کی نیک نیتی کو دخل ہو لیکن مسلم مرکزیت کے لئے اس کا وجود کسی طرح خطرہ سے خالی نہ تھا۔ المختصر ان تمام مخالف عناصر نے اُن مختلف مکاتیب خیال کو جو جذباتی طور پر عارضاً مجلس کی حکمت عملی سے اختلاف رکھتے تھے، چند ٹولیوں میں منقسم کر دیا جنھوں نے مجلس کے ایماء کے بغیر حکومت کے خلاف مظاہرے ترتیب دئے۔ رائے کو پریشان بنانے والوں نے اس امر کا صحافتی پروپگنڈا شروع کر دیا کہ صدر مجلس اتحاد المسلمین جس کو جمہور مسلمین کا مرکزی ادارہ ہونے کا دعویٰ ہے، مسلم عوام پر کوئی قابو نہیں رکھتی۔ اس خیال کی حمایت میں مضامین لکھے گئے، قائدین کے نام کھلی چٹھیاں شائع کی گئیں لیکن ان غیر سنجیدہ مساعی نے سنجیدہ حلقوں کو متاثر کرنے میں کامیابی حاصل نہ کی اور مسلمانوں کی مرکزیت پر، بارے شکر کہ کوئی آنچ نہ آسکی۔

اعلان اصلاحات

ملک بے چینی اور اضطراب کے ایک ایسے مرحلہ سے گزر رہا تھا جس کو دکن کی تاریخ کا نادر سیاسی دور کہا جا سکتا ہے ایک فرقہ غیر آئینی ہنگاموں کی محنت سے تھک کر اپنی قوت جمع کرنے میں مصروف تھا اور

دوسرے فرقہ کو حکومت مایوس کر کے ایسی تدابیر اختیار کرنے پر مجبور کر رہی تھی جس کے لئے وہ کبھی بطیب خاطر آمادہ نہ تھا۔ ایسی ناخوشگوار بلکہ مسموم فضاء میں مجلس اصلاحات نے اپنی سفارشات حکومت کے سامنے پیش کر دیں اور ان کی بنیاد پر حکومت نے ۱۲ شہریور ۱۳۴۰ ف کو بالآخر اصلاحات کا اعلان کر دیا۔

کسی ملک میں اصلاحات کا نفاذ اہل ملک کے لئے اصولاً کبھی باعث تشویش نہیں ہوا کرتا لیکن حیدرآباد میں آئینی اصلاحات کے اعلان میں جو عوامل محرک تھے ملک کے بہی خواہوں نے ایک سے زیادہ مرتبہ ان کی تشریح کر دی تھی جن میں سے واضح ترین حقیقت یہ ہے کہ ملک کی تشویشناک حالت میں سکون کا انتظار اور ملک کی خصوصی روایات کے اعتبار سے اصلاحات کے نتائج اور ان کے شدید ردعمل کا اندازہ کئے بغیر حکومت نے مخالف کشمکش کے آگے سپر ڈال دی جو اس کے دو صد سالہ وقار و تمکنت پر کاری ضرب ہے جس کو صرف وہی جماعت محسوس کر سکتی ہے جس نے دولت آصفیہ کی تاسیس اور تعمیر میں اپنا خون پسینہ ایک کر دیا تھا۔

ہندو برادری نے اعلان اصلاحات کے بعد سکون و اطمینان کا ایک طویل سانس لیا۔ حکومتی نقطۂ نظر کی اس وضاحت کے باوجود کہ رعایا کی سود و بہبود کی خاطر اس کے مطالبہ کے بغیر جس طرح وہ آج تک ملکی ترقی و اصلاح کی کوشش کرتی رہی ہے اسی طرح عصر حاضر کے ترقی پذیر رجحانات کا اندازہ کر کے دستور میں تبدیلی کا اعلان کیا ہے ہندوؤں نے منطقی نتیجہ کے طور پر اعلان اصلاحات کو براہ راست اپنی مساعی کا نتیجہ قرار دیا۔ بلاشبہ دستور جدید کے اس خاکہ میں ہندو برادری کو بہت بڑی آئینی پوزیشن حاصل ہو گئی۔ ہر چند کہ اس میں کامل ذمہ دار حکومت تو نہیں لیکن ایسے دستوری امکانات پیدا کر دئے گئے ہیں جو بالآخر ذمہ دار حکومت پر منتج ہو سکیں یہی وہ اعلیٰ مقاصد رہے جن کے حصول کے بعد آریہ سماجی اور دیگر ہندو نمائندہ مراکز میں فتح کے شادیانے

بجنے لگے، تہنیت کے پیامات کا تبادلہ عمل میں آنے لگا، کارکنوں کی خدمات پر تشکر و امتنان کا اظہار کیا جانے لگا اور حکومت آصفیہ کی دانشمندی پر نعرہ ہائے تحسین بلند ہونے لگے۔

ہندو اخبارات نے اپنی جماعتی رائے کی اس طرح ترجمانی کی:۔

"اصلاحات کے اعلان کا سہرا آریہ سماج اور ہندو مہا سبھا کے مجاہدوں کے سر ہے جن کی کوششوں نے بالآخر کامیابی کی منزل سے قریب کر دیا"

ڈاکٹر موبجے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ ایک پہاڑ حرکت کرنے لگا ہے۔ رائٹ آنریبل قابل مبارکباد ہیں کہ انھوں نے حقیقت شناسی میں اور صورت حال کے حقیقی واقعات سمجھنے میں وقار کو سد راہ نہ ہونے دیا۔"

ہم اپنی ہندو برادری کی اس مسرت میں پورے اخلاص کے ساتھ شریک ہیں اور اُن کی کامیابی پر خواہ وہ حکومت کی عطا ہو یا خود ان کی جدوجہد کا نتیجہ، مبارکباد دیتے ہیں۔

جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے۔ اصلاحات کی تجاویز اعلان کے دن ہی سے مختلف حلقوں میں مباحث کا موضوع بنی رہیں۔ ملک کے ہر مفکر اور سیاسیات کے ہر طالب علم کے ذہن و دماغ میں تجسس اور تحقیق کا جذبہ اس حقیقت کی دریافت میں بے چین تھا کہ دستور کے یہ مبادیات کس حد تک مسلم مطالبات کی تکمیل کر سکتے ہیں؟ لیکن کسی ذمہ دار اور صائب الرائے مسلمان یا رکن صدر مجلس اتحاد المسلمین نے اپنی انفرادی حیثیت میں اعلان کے حسن و قبح پر کسی رائے کا اظہار نہیں فرمایا۔ خود قائد اعظم نواب بہادر یار جنگ بہادر نے صحافتی نمائندوں کے استفسار کے باوجود اظہار رائے کے حق کو صدر مجلس اتحاد المسلمین کے لئے محفوظ کر دیا۔

صدر مجلس عاملہ نے کامل غور و فکر کے بعد اصلاحات کی نسبت تجویز منظور کی کہ یہ اعلان اصلاحات کو صدر مجلس اتحاد المسلمین ملک کے لئے عموماً اور

مسلمانوں کے لئے خصوصاً مضر اور غیر اطمینان بخش تصور کرتی ہے۔"

نواب بہادر یار جنگ بہادر نے مختصر سی تمہیدی تقریر کے بعد عامہ کی منظورہ تجویز ایک کثیر مجمع کو سنائی جو مجلس کا فیصلہ معلوم کرنے کے لئے بیچین تھا اور ہزار ہا کی تعداد میں بیت الاقبال (ہندوی منزل) میں جمع ہو گیا تھا۔

مجلس کی یہ تجویز عامۃ المسلمین کے احساسات اور عام رجحانات کی نمائندگی کر رہی تھی جس کی اشاعت نے مجلس کے ساتھ ان کے نقش اعتماد کو اور زیادہ گہرا کر دیا۔

ذیل میں اصلاحات کے بعض اہم قد و خال کو نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ مجلس کی منظورہ تجویز کا حقائق کی روشنی میں مطالعہ کیا جا سکے:۔

۱۔ اصلاحات کی پیش کردہ تجاویز اگرچہ کہ پہلی منزل میں ذمہ دار حکومت عطا نہیں کرتیں لیکن ایسی دستوری حکومت کی اساس قائم کرنے میں ممد و معاون ہیں جس سے تدریجاً کامل ذمہ دار حکومت قائم ہو جائے جو حیدر آباد جیسے ملک کے لئے کبھی سازگار نہیں ہو سکتی

۲۔ موازنہ شاہی پر بحث، تنقید اور ضمنی سوالات کی دستوری اجازت جواب تک صرف شاہی اختیار متصور ہوتا رہا عوام میں اقتدار شاہی کی بتدریج منتقلی پر دلالت کرتی ہے

۳۔ مسلمانوں کے مطالبہ کے مطابق صرف نظم و نسق میں تبدیلی کی بجائے تجاویز اصلاحات نے مسلم اقتدار کو جو آزاد بادشاہت کے تحت فرمانروا کی ذات میں مرتکز تھا عوام کے اقتدار اعلیٰ میں منتقل کر دیا اور ذات شاہانہ کو اس کا نمائندہ قرار دیا جو مملکت آصفیہ کے قدیم اور روایاتی دستوری اساس میں انقلاب انگیز تبدیلی کے مترادف ہے۔

۴۔ تجاویز میں مسلمانوں کے لئے مطلوبہ آئینی اکثریت تو کجا آئینی مساوات کا بھی امکان باقی نہیں رکھا گیا۔

مجلس مقننہ کے (۵۱) ارکان کے منجملہ (۲۷) نشستوں کو نامزدگی اور انتخاب کے ذریعہ ہندو مسلمانوں کو مساوی تعداد میں تقسیم کر دیا گیا لیکن باقی (۱۳) ارکان کی جس

اُصول پر تکمیل کی گئی ہے اس سے لازماً مسلمان دوامی اقلیت میں آجاتے ہیں۔

(۴) انتخابات کے لئے مفادات کی ایسی نرالی اساس تجویز کی گئی ہے جس میں مسلمانوں کا وجود حریف جماعت کے مقابلہ میں نہ ہونے کے برابر ہے اور مشترکہ یا مخلوط انتخاب اس کے مترادف جس سے قوی اندیشہ ہوگیا ہے کہ مقننہ میں صحیح مسلم نمائندگی نہ ہوسکے گی۔

اس اجمالی تجزیہ کے بعد یہ امر صاف طور پر مترشح ہوتا ہے کہ اصلاحات میں ایک ایسے طبقہ کے لئے فلاح و بہبود کی کوئی صورت موجود نہیں جسے مملکت آصفیہ میں گذشتہ کئی صدیوں سے سیاسی اقتدار اور برتری حاصل رہی ہے اور ایک ایسا طبقہ ہے جس کی ممتاز حیثیت کا خود اصلاحات میں اعتراف کیا گیا ہے۔

عوام کو آنے والے دستور جدید کے ان مضمرات سے واقف کرنا ضروری تھا۔ مجلس اتحاد المسلمین بازار نور الامراء نے وقت کی اس اہم ضرورت کو محسوس کیا۔ اور تشریح اصلاحات کے عنوان سے قائد اعظم کی تقریروں کا وسیع پیمانہ پر انتظام کیا جس میں قائد محترم نے مسلسل تین روز تک دکن کی سیاسی تاریخ، وساتیر عالم اور معینہ تجاویز اصلاحات پر عام فہم انداز میں تین طویل تقریریں فرمائیں جن سے حیدرآباد اور اضلاع کی تعداد کثیر نے استفادہ کیا اور عوام کے سامنے اصلاحات کا گوشہ، گوشہ واضح ہوگیا۔ مجلس بازار نور الامراء اس اہم خدمت کے بجالانے میں مستحق شکریہ اور قابل مبارکباد ہے۔

تجاویز اصلاحات پر تنقید و تبصرہ کے ذریعہ تنہا مسلمانوں کا مفاد مجلس کے پیش نظر نہ تھا بلکہ وہ دستور جدید کے اس دیباچہ کی اشاعت کو خود دولت آصفیہ کے وقار کے خلاف تصور کرتی تھی۔ مجلس کی اس مخالفت کو لسان الامت اور صدر مجلس کے ترجمان نے بڑی وضاحت کے ساتھ تشریح اصلاحات کی تقریروں میں بیان فرمایا جس کا ذیل کے فقروں میں اقتباس پیش کیا جاسکتا ہے:۔

(۱) ہندو جماعت کی دھمکیوں سے مرعوب ہوکر حکومت نے اصلاحات کا اعلان کرنے میں

غیر معمولی عجلت سے کام لیا اس موقع پر ڈاکٹر مونجے کا اتہاج بعید از قیاس نہ تھا کہ آصف جاہی عظمت و جلال کا ہمالیہ جس کو نادری سطوت و جبروت اپنی جگہ سے نہ ہلا سکا تھا "دساور کی جے" کے نعروں سے ہلنے لگا۔"

۲۔ ہندو جماعت نے شہری اور مذہبی آزادی کے سلسلہ میں اپنے چند مطالبات پیش کئے تھے لیکن حکومت کی یہ بڑی فیاضانہ عطا ہے کہ اس نے دستوری اصلاحات کا اعلان فرما دیا جس کا نہ کوئی مطالبہ کیا گیا تھا اور نہ وقت کا اقتضا رہا تھا۔

۳۔ ملک کے لئے صرف اچھی اور بہتر حکومت مطلوب ہوا کرتی ہے جس کے لئے حکومت کی موجودہ مشنری و کل پرزوں میں ترمیم و اصلاح مناسب ہوتی ہے دستور جدید کے نفاذ کی قطعاً کوئی ضرورت محسوس نہیں کی جا رہی تھی۔

۴۔ حکومت ایک طرف ایسی جماعت کو منانے کی فکر میں سرگرداں ہے جو صدفی صد حاصل کرنے کے بعد بھی اپنی وفاداری کی کوئی ضمانت نہیں دے سکتی اور دوسری طرف وہ ایک ایسی جماعت کو مایوس کرنے پر تلی ہوئی ہے جو اسلامی حکومت کے وقار اور تحفظ کے لئے رضاکارانہ، سربکف میدان میں آنے کے لئے ہمیشہ آمادہ رہی ہے اور آئندہ بھی رہے گی۔

ان اعتراضات کی حقیقت ہر چند مسلمہ سہی لیکن چونکہ اصلاحات دستوری کا اعلان ہو چکا تھا اس لئے مجلس کو آئینی کارروائی اختیار کرنے کے سوا کوئی مفر نہ تھا چنانچہ اپنے پیش کردہ سابقہ مطالبات کی روشنی میں اصلاحات کی تجاویز پر مجلس عاملہ نے غور کیا اور دوبارہ حکومت کے سامنے اپنے مطالبات پیش کر دئے تاکہ آخری دفعہ حکومت سے آئینی طریقہ پر تکمیل مطالبات کی درخواست کی جائے۔ لیکن عوام میں حکومت کے خلاف پھر بے اعتمادی پیدا ہو گئی اور مجلس کے آئینی طریقہ عمل پر سخت تنقید کی جانے لگی۔ اعلان اصلاحات کے بعد مسلمانوں نے اس سے ناراضمندی کا اظہار کیا۔ جامعہ عثمانیہ کے

مسلم طلبہ نے خاموش ہڑتال منائی۔ مسلم شہریوں کی ایک جماعت نے سیاہ پٹیاں لگائیں اور پُرامن جلوس ترتیب دئے جن کا "شاہ عثمان زندہ باد" "مسلم اقتدار پائندہ باد" کے نعروں سے شاہراہوں پر مظاہرہ کیا جانے لگا۔ ان ہی مظاہروں کے اثناء میں فرقہ وارانہ ہنگاموں کا سلسلہ شروع کر دیا گیا اور ۳۱ مئی حکومت کی طرف سے دار و گیر کی گرم بازاری شروع ہوئی۔

مجلس نے یہ معلوم کر کے کہ ان جذباتی طریقوں سے مسلمان اپنی قوت کو ضائع کر رہے ہیں فوراً مظاہروں کے خلاف تجویز منظور کی اور مسلمانوں سے استدعا کی گئی کہ وہ مجلس کے استصواب اور حکم کے بغیر راست عمل اختیار کرنے میں ہرگز پہل نہ کریں۔ نواب بہادر یار جنگ بہادر نے نماز جمعہ کے بعد مکہ مسجد میں مسلمانوں کو مخاطب فرمایا۔ ان اصلاحات کے بعد فرقہ وارانہ ہنگاموں کی اصلیت اور حقیقت کو بے نقاب کر کے مسلمانوں کو احتیاط، آخر بینی اور عاقبت اندیشی کا سبق دیا اور ہمہ رنگ زمین دام کے خطرات سے آگاہ فرمایا۔ اب مظاہرے ختم ہو گئے فرقہ وارانہ ہنگامے بھی فرو کر دئے گئے اور مجلس پھر سکون کے ساتھ اپنے فرض کی تکمیل میں مصروف ہو گئی۔

حکومت کے نمائندوں سے مسلم قائد کی گفتگو کا سلسلہ برابر جاری رہا لیکن فریق اول کی تاخیر پسندی سے "دور ہے منزل" ہر قدم پر نمایاں ہونے لگی جس سے تنگ آکر بالآخر مجلس نے ایک مہینہ کی مدت کا تعین کر کے حکومت سے یکسوئی کی خواہش کی اور عدم تکمیل کی صورت میں راست عمل اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اختتام مدت کے قریب حکومت کی جانب سے آثار صلح نمایاں ہونے لگے۔ ۳۰ ربیع الثانی ۴۸ف کی منعقدہ مجلس عاملہ نے بڑی ردّ و قدح کے بعد مزید ایک ماہ کی توسیع منظور کی اور اس کے ساتھ ہی مجلس قائمہ کو مجاز کر دیا کہ حصول مقصد میں ناکامی کی صورت میں بلا تاخیر راست عمل کی ہر تدبیر اختیار کرے۔ لیکن یہ امر مسلمانوں کے لئے باعث تشکر و امتنان اور ملک اہل ملک

اور خود حکومت کے لئے باعث تہنیت ہے کہ اختتام مدت سے قبل زیر بحث معاملات کی یکسوئی ہوگئی اور حکومت نے مسلم مطالبات کے سلسلہ میں صدر مجلس اتحاد المسلمین کو مطمئن کر دیا جس کی تفصیلات سے جیسا کہ ہم نے ابتدا ہی میں ذکر کر دیا ہے مناسب وقت پر عوام کو مطلع ہونیکا موقع ملے گا۔

ذات ہمایونی سے مجلس کی عقیدتمندی

ایک اسلامی مملکت میں سیاسی حیثیت سے مسلمانوں کو جس نازک حالات سے دوچار ہونا پڑا اس کی روداد کا اجمال پچھلے صفحات پر آچکا ہے۔ مجلس اتحاد المسلمین کی شکایت ارباب حکومت سے تھی اور اس کا ایقان تھا کہ معاملات کے اس نشیب و فراز کی کوئی معمولی ذمہ داری بھی حضور اقدس کی ذات سے منسوب نہیں کی جاسکتی۔

مجلس نے مسلمانوں کو ہمیشہ سے حاکم قوم تصور کیا اور مسلک کے طور پر اس کی اشاعت اور مسلمانوں میں اس عقیدہ کو مستحکم کرنے کی کوشش کی کہ آصفی تخت و تاج اور مسلم عوام کا تعلق روح اور جسم کا ہے جو ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہے۔ قائد اعظم نے اس تصور کو مجلس کے سیاسی عقیدہ سے تعبیر فرمایا کہ حکومت آصفیہ کا اقتدار مسلم عوام میں مرکوز ہے اور اعلیحضرت بندگانعالی مسلمانوں کے سیاسی اور تمدنی اقتدار کے مظہر ہیں۔ اس نظریہ یا عقیدہ کے ثبوت میں حیدرآباد کی گذشتہ چھ سو سالہ تاریخ کو پیش کیا جاسکتا ہے جس کے تسلیم کرنے میں مخالفین کو بھی تامل نہیں ہوسکتا۔

راستہ کی رکاوٹیں

مسلمانوں کو ہر نقطۂ نظر سے عدم شعوری کی پستیوں سے نکال کر شعور کی جانب رہبری کرنے، ان کے سیاسی اقتدار و حیثیت کو تسلیم کرانے احساس پستی کی ذہنیت کو دور کر کے احساس برتری پیدا کرنے اور حکومت سے ایک ایک کر کے اپنے مطالبات منوانے میں مجلس کو جن مشکلات سے دوچار ہونا پڑا اس کی داستان بہت طویل ہے۔

کسی ملت کو ابھارنے کے لئے دورِ حاضر میں تقریر اور تحریر کی قوتوں کو اولیت حاصل ہے یہی ذرائع رائے عامہ کی بوجوہ احسن تربیت کر سکتے ہیں لیکن مجلس کے لئے وہ وقت بہت ہی صبر آزما تھا جبکہ ڈھول پیٹ کے خونفشاں ہنگامہ کے بعد حکومت نے قائد ملت نواب بہادر یار جنگ بہادر کی تقاریر اور تبلیغی دوروں پر پابندی عائد کر دی خطیب دکن اور لسان الامت پر اس پابندی نے ملت کو تربیت اور تعلیم کے بہت بڑے ذریعہ سے محروم کر دیا جس پر مسلمانوں نے مسلسل احتجاج جاری رکھا۔

جہاں تک تحریری ذرائع کا تعلق ہے مسلمہ طور پر صحافت عوام کی تربیت کا بہت بڑا ذریعہ ہے ملک کا کثیر الاشاعت روزنامہ رہبر دکن پورے اخلاص کے ساتھ مسلمانوں کے صحیح سیاسی عقائد کی ترجمانی میں پیش پیش تھا کہ حکومت نے تین ہزار کی ضمانت طلب کر کے اس کے جذبۂ خدمت کی راہ میں بڑی دقت حائل کر دی۔ اسی طرح اخبار صبح دکن کو ایک سے زیادہ دفعہ حکومت کی جانب سے متنبہ کیا گیا۔ اس کے بعد ملک کے محبوب ترین جریدہ وقت کو حکومت نے اپنے اقتدار کا نشانہ بنایا۔ ایک ایسے زمانہ میں جس کو سیاسی حیثیت سے مسلمانوں کے عبوری دور سے تعبیر کیا جاتا ہے جریدۂ وقت ملک کی بے لاگ خدمات انجام دے رہا تھا۔ مالی دقتوں کے باوجود وقت نے پیسہ اخبار کی حیثیت سے اہل ملک میں اخبار بینی کا صحیح ذوق پیدا کیا۔ اپنے صحافتی محاسن، ایثار، زورِ قلم اور صداقت پرستی کے اعتبار سے ملک کے طول و عرض میں اس جریدہ کو قبولیت عام کی سند حاصل ہو چکی تھی اعلان اصلاحات کے بعد اس جریدہ نے ہندو مسلم جماعتوں کے نقاط نظر کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا اور اصلاحات کے ان تمام خدوخال کو نمایاں کیا جو ہر جماعت کی غور و فکر کے محتاج ہیں۔ خدمت کے اس صحیح جذبہ کو حکومت نے اپنی پالیسی کے خلاف پایا جس کی بناء پر اخبار کو حکماً مسدود کر دیا گیا۔ مجلس کے حکم سے احتجاجاً مسلمانوں نے ایک دن کے لئے ہڑتال منائی دوکانیں اور کاروبار بند کر دئے۔ مقامی مسلم جرائد نے

اظہار رنج و افسوس کے طور پر سلپ شائع کئے۔

مجلس اتحاد المسلمین کا واحد نصب العین دکن میں مسلمانوں کی مرکزیت کا قیام ہے اس کے تحفظ و بقاء کے لئے ان سے ممکنہ تدابیر اختیار کرنے میں دریغ نہ کیا۔ خدائے مسبب نے جب مخلصین کی مساعی کو مشکور فرمایا تو مخالفین کی قوت عمل میں جوش پیدا ہوا۔ مختلف حریف جماعتیں عجیب و غریب مقاصد کے تحت وجود میں آکر مسلم مرکزیت کو صدمہ پہنچانے کی کوشش کرنے لگیں۔ دشمنوں کے کھلے حربے نہ تو غیر متوقع تھے اور نہ خطرناک لیکن حمایت کا نقاب اوڑھ کر مخالفانہ حربے استعمال کرنے والوں نے کچھ اندیشے ضرور پیدا کر دئے تھے۔ ان میں قوم پرستوں کی جماعت بہت ممتاز ہے جس کو عربی نام کے سیاسی ہندوؤں کی جماعت کہنا زیادہ مناسب ہے۔ یہ جماعت ایسے مقصد کے حصول میں اپنی قوت اور وقت کو ضائع کرتی ہے جس کے بے نتیجہ ہونیکا خود اس کو کامل یقین ہے۔ چونکہ اس پردہ میں ذاتی اغراض کا حصول نہایت آسان ہو جاتا ہے اس لئے قوم پرستی کے نام سے چند افراد کا جمع ہو جانا مشکل نہیں ہوتا۔ ہمارے ملک میں اس طبقہ نے ملت فروشی کی افسوسناک مثالیں پیش کیں اور تعلیم یافتہ نوجوانوں کو اس مسموم فضا سے متاثر کرنیکا وسیع پیمانہ پروپگنڈہ شروع کر دیا۔ لیکن مجلس کی مخلصانہ اور بروقت مساعی نے مجلس کے اس اعتماد کو متاثر ہونے سے بچا لیا جو مسلم عوام کو حاصل ہو چکا تھا۔

مسلمانوں کی اس مخالف جماعت کے علاوہ مجلس کے چند مار ہائے آستین کی نامسعود نقل و حرکت کی وجہ مجلس کی اجتماعیت کو خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔ یہ ایسے افراد تھے جو محض اپنے نام و نمود اور ذاتی وجاہت کے طلبگار تھے۔ بہت جلد ان افراد کی حقیقت جمہور کے آگے آشکار ہو گئی اور مسلمانوں نے ان کی دکھتی رگ معلوم کر لی اور اب اگرچہ کہ پوری طرح اس فتنہ کا ازالہ نہیں ہوا لیکن بڑی حد تک ان افراد کی ہڑبونگ

باقی نہیں رہی۔

مجلس کا مالیات

مسلمانوں کے قومی ادارے کارکنوں کی قلت سے زیادہ مالیاتی کمزوری کے شکار ہو جاتے ہیں۔ قرن اولیٰ کے مسلمانوں کے ایثار کی مثالیں موجودہ زمانہ میں افسانہ ہو کر رہ گئیں۔ ایثار صدیق رضؓ، عثمانی بذل و سخا کے واقعات اب صرف ہماری شاعری کے عنوانات ہیں عملاً مسلمانوں میں اس قسم کے جذبات تقریباً ناپید ہیں حیدرآباد میں مسلمانوں کے تمول کا ایشیا کے بڑے بڑے ممالک میں بھی ضرب المثل کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔

مجلس نے ایک سال تک اپنی ملت سے مالی اعانت کی کوئی درخواست نہیں کی لیکن دوسرے سال اس کی بڑھتی ہوئی مصروفیتوں نے مالی اعانت کی اپیل پر مجبور کر دیا جو عظیم الشان نظام العمل مجلس کے پیش نظر تھا اس کے اقتضاء کے مطابق ستر ہ لاکھ مسلمانوں سے پانچ لاکھ روپیہ کی درخواست کی گئی۔ مسلمانوں کے متوسط طبقہ نے اس رقم کی پابجائی کے سلسلہ میں اپنی کامل دلچسپی اور ایثار کا ثبوت دیا۔ بڑی بڑی مجالس میلاد میں چندے جمع ہونے لگے مقامی شاعروں نے ٹکٹ کے ذریعہ زحمات ملت کی تقاریر کا انتظام کیا۔ موتمر مسلم نوجوانان نے میلادی موتمر کے ذریعہ دو ہزار روپیہ سے زائد رقم مجلس کے لئے جمع کی۔ مغلپورہ کی ذیلی مجلس نے میلاد النبی کا عظیم الشان جلسہ منعقد کیا اور مجلس کی اعانت کے لئے ٹکٹ مقرر کر کے بارہ سو کی رقمی امداد بہم پہنچائی۔ مجلس اتحاد المسلمین بازار نور الامرا نے تقریباً بارہ سو روپیہ کی رقم جلسہ تشریح اصلاحات کے ذریعہ صدر مجلس کی خدمت میں پیش کی۔ حیدرآباد اور اضلاع میں اجتماعی اور انفرادی طور پر رقم جمع کرنے کی کوششیں مہینوں جاری رہیں۔

مولانا رضوی کا صدیقی ایثار

گلبرگہ شریف کے جلسہ سالانہ میں جو محترم معتمد صاحب صدر مجلس کی زیر صدارت

منعقد ہوا تھا۔ مولوی محمد قاسم صاحب رضوی وکیل لاتور نے صدر مجلس کے نام پوری جائداد اور اثاثہ وقف کر دیا۔ اس اللہ کے نیک بندے نے اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لئے خدا اور رسولؐ کے سوا کچھ باقی نہ چھوڑا۔ صدیقی ایثار کی یہ وہ عظیم الشان مثال ہے جو عہد صحابہؓ کے بعد سے اب تک مسلمانوں میں بہت کم ملتی ہے۔

ملت اسلامیہ کے بعض اور اصحاب خیر نے اس جانب توجہ کی لیکن پانچ لاکھ روپیہ کی رقم خطیر کی پابجائی متوسط طبقہ سے ناممکن تھی۔ توقع بھی کی جا رہی تھی کہ مسلمانوں کا متمول طبقہ اس کی تکمیل کی جانب متوجہ ہو جائے گا لیکن یہ خواب ناآشنا تعبیر رہا اور معینہ مدت کے اندر اس رقم کی تکمیل نہ ہو سکی جس کی تمامتر ذمہ داری ملک کے متمول طبقہ پر عاید ہوتی ہے۔

خاتمہ مجلس سیاسی جنگ سے فارغ ہو کر مسلمانوں کے تعمیری نظام العمل کی ترتیب کی طرف متوجہ ہوئی۔ سب سے پہلے اس نے مسلم باشندوں کی سرپرستی کا عزم کیا اور حیدرآباد میں تجارت گاہ قائم کی جو خدا کا شکر ہے کہ نہایت کامیابی کے ساتھ کام کر رہی ہے۔

تعمیری نظام نامہ کی وسیع پیمانہ پر ترتیب عمل میں آ رہی ہے جو عنقریب مسلمانوں کے سامنے پیش کیا جائے گا۔

ملت اسلامیہ دکن قابل صد مبارکباد ہے کہ اس کی مرکزیت اور باہمی ربط و اتحاد کے قیام میں صدر مجلس اتحاد المسلمین کی سرپرستی حاصل ہے جس کا قائد صحیح معنی میں خادم کی حیثیت سے شبانہ روز نہایت اخلاصمندی کے ساتھ مصروف عمل ہے۔

خاتمہ پر خدا سے دعا ہے کہ قائد اعظم کی قیادت میں مسلمانان دکن اسلامی خصوصیات کے ساتھ دن دونی رات چوگنی ترقی کریں۔

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد!!

مطبوعہ
مکتبۂ ابراہیمیہ مشین پریس
حیدرآباد دکن